رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لے
ششماہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہے

قیمت فی پرچہ (۲/)

ہفت وار
مملکت
ایڈیٹر:۔ میر حسن الدین

رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لے
ششماہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہے

قیمت پرانا پرچہ (۴/)

جلد (۹) | ۲۷ دے ۱۳۵۹ف | ۶ صفر ۱۳۶۹ھ روز یکشنبہ | ۲۷ نومبر ۱۹۴۹ء | نمبر (۳۳)

ہندوستان اور امریکی سرمایہ

معاشی ترقی کے چند بنیادی اصول

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکی سرمایہ کسی نہ کسی صورت میں ہندوستان آئے گا۔ اس مسئلہ پر ایک دوسرے نقطۂ نظر سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کیا ہندوستان کو واقعی امریکی سرمایہ کی ضرورت ہے؟ بار بار یہ کہا جا رہا ہے کہ ہندوستان کو بیرونی سرمایہ کی ضرورت ہے۔ لیکن کسی نے تحقیق کرنے کی کوشش نہیں کی کہ یہ بیان کس حد تک واقعات پر مبنی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنے کے لئے بیرونی سرمایہ کی ضرورت ہے۔ ہر شخص کو اس بلند مقصد سے دلچسپی ہے۔ اس مسئلہ کی نسبت دو مکتب خیال ہیں۔

ایک رائے یہ ہے کہ بھاری صنعتوں کو ترقی دے کر ہندوستان کی قومی معیشت کی بنیاد کو مستحکم کیا جائے یہ رائے بمبئی پلان میں پیش کی گئی تھی جس کو حکومت نے بڑی حد تک تسلیم کر لیا ہے۔ اس مکتب خیال کے حامیوں کی رائے ہے کہ ہندوستان کی معاشی ترقی کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ ایک طویل میعاد کے لئے کثیر سرمایہ لگایا جائے لیکن اتنا سرمایہ ہندوستان میں حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے بیرونی ممالک سے سرمایہ درآمد کیا جائے۔ امریکہ ہی ایک ایسا ملک ہے جس کے پاس فاضل سرمایہ ہے اور جو ہندوستان میں اپنا سرمایہ لگا سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بمبئی پلان کو روبہ عمل لانے کی شرط مقدم یہی تھی کہ بیرونی سرمایہ درآمد کیا جائے۔ اس مکتب خیال کے حامی سمجھتے ہیں کہ بھاری صنعتوں کی ترقی سے عوام کا معیار زندگی بلند ہوگا۔ یہ خیال غلط ہے کیونکہ اس طریقہ سے ملک کی آمدنی نہیں بڑھے گی بلکہ منافع کا کثیر حصہ چند افراد کی جیب میں جائے گا۔

دوسرا مکتب خیال یہ سمجھتا ہے کہ عوام کا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے زراعت کی ترقی پر پوری توجہ کرنی چاہئے۔ یہ ایک حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر ہے۔ اس واقعہ سے قطع نظر کہ آج ہندوستان میں زراعت اپنی متعلقہ صنعتوں کے ساتھ قومی معیشت کی بنیاد ہے اور امور بھی ہیں جو قابل غور ہیں جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر زراعت جیسی بنیادی صنعت کو عصری طریقہ پر ترقی دی جائے تو ملک کے معاشی نشو ونما کو متوازن کیا جا سکتا ہے۔ بھاری صنعتوں کا پلان مغالطہ خیز ہے۔ اس لئے اگر امریکی سرمایہ کو ہندوستان میں درآمد کیا جائے تو وہ ہندوستان کے باشندوں کی فلاح و بہبودی کے لئے مفید نہ ہوگا۔ بھاری صنعتوں کی پیداوار کے لئے مارکٹ کہاں ہے؟ عام طور پر کسی ملک کی پیداوار کی نکاسی اس ملک کی مارکٹ پر منحصر ہوتی ہے بیرونی ممالک کے مارکٹ میں مسابقت بہت شدید ہوتی ہے اور ایک ملک جو ابھی ابھی صنعتی میدان میں آیا ہو اس مسابقت کی تاب نہیں لا سکتا۔ ایسی صورت میں حکومت کی مدد سے برآمد کا انتظام کرنا پڑے گا۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ بالواسطہ محاصل عائد کئے جائیں۔ یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ صنعتوں کی ترقی سے روزگار کے نئے راستے کھلیں گے اور آمدنی میں اضافہ ہوگا لیکن سرکاری امداد کے ذریعہ برآمدات کو جاری رکھنے کے لئے جو بالواسطہ محصول اندازی ہوگی وہ گویا ایک ہاتھ سے دینے اور دوسرے ہاتھ سے لینے کے برابر ہوگی۔ اگر ہندوستان کی معیشت کو اس غرض سے ترقی دینا ہے کہ عوام کا معیار زندگی بلند ہو تو اس کی ابتدا زراعت اور متعلقہ صنعتوں کی ترقی سے ہونی چاہئے۔ امریکہ سے امداد طلب کرنے کے بجائے ہندوستان کی حب الوطنی سے اپیل کرنی چاہئے۔ بھاری صنعتوں کی پیداوار کی نکاسی کے لئے ملک کے اندر مارکٹ نہ ہو تو صنعتی ترقی کا خیال ہوا میں قلعے بنانے کے مماثل ہے۔ مارکٹ سے مراد ایسے افراد ہیں جو اشیاء خریدنے کی اہلیت رکھتے ہوں خریدنے کے لئے ان کے پاس پیسہ بھی ہو۔ اور ہندوستانی مارکٹ میں خریداروں کی اکثریت کاشتکاروں کی ہے۔ اگر ہندوستان میں موٹر اور ہوائی جہاز بنائے جائیں اور بیرونی ممالک سے ان کی قیمت کم بھی ہو تو ہندوستان میں ان کا مارکٹ محدود ہوگا۔ ان اشیاء کے خریدار صرف ایک فی صد ہوں گے مگر معمولی زرعی آلات کے لئے مارکٹ وسیع ہوگا اسی طرح روزمرہ کی ضرورت کی چیزوں کے لئے بھی کافی گنجائش رہے گی۔ پس قومی معیشت کی ترقی کے لئے اس کی ابتدا زراعت سے کی جانی چاہئے اور زرعی ترقی منحصر ہے بعض صنعتوں کی ترقی پر۔ موٹر اور ہوائی جہاز کے بجائے لوہے کو زرعی آلات کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستان میں بھاری صنعتوں کی ترقی کے لئے بیرونی

(باقی صفحہ ۔)

مملکت

۲۷ دے ۱۳۵۹ف

ہندو بھائیوں کو دھوکہ دینے کی کوشش

معاصر "شیب" نے اپنے ۱۲ نومبر کے اداریہ میں ہم مسلمانان دکن کو چھیڑنے کی کوشش کی ہے۔ معاصر موصوف کا یہ خیال غلط ہے کہ:

"پولیس ایکشن کو ۱۲ ماہ گزر جانے کے بعد بھی اب تک حیدرآباد کے مسلمانوں نے اپنا کوئی موقف طے نہیں کیا اور دنیا کو یہ نہیں بتلایا کہ وہ کدھر ہیں اور کیا سوچ رہے ہیں۔"

واقعہ یہ ہے کہ پولیس کارروائی کے چند ہی روز بعد مسلم عوام کی اکثریت نے یہ طے کر لیا کہ وہ اب اقتداری سیاسیات میں کوئی حصہ نہیں لیں گے بلکہ ہندو بھائیوں کی اکثریت کی جو رائے ہوگی اسی کو من و عن قبول کریں گے۔ کیا سقوط آصفیہ کے بعد بھی یہ کہنا بجا ہوگا کہ مسلمانوں نے اپنا موقف طے نہیں کیا؟ نہ صرف یہی بلکہ مسلمانان دکن نے یہ بھی اسی وقت طے کر لیا کہ فرقہ داری سیاسیات سے انہیں کوئی تعلق نہ ہوگا یعنی یہ کہ وہ کوئی علحدہ سیاسی تنظیم قائم نہیں کریں گے۔ بالفاظ دیگر مسلمانان دکن نے فرقہ داری سیاسیات کو خیرباد کہہ دیا۔

اسی اداریہ میں معاصر "شیب" نے مسلمانان دکن کے سامنے چند سوالات رکھ کر ان کے جوابات طلب کئے ہیں۔ ہم معاصر موصوف کے سوالات اور ان کے جوابات کو سطور ذیل میں پیش کرتے ہوئے یہ ادعا کرتے ہیں کہ مسلم عوام کی اکثریت ہمارے جوابات سے متفق ہے بجز اُن مسلم افراد کے جو اپنے ذاتی اغراض رکھتے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ:-

(۱) حیدرآباد کے مستقبل کے متعلق مسلمان کیا سوچتے ہیں؟-

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر سردار پٹیل یا حیدرآباد کے ہندو باشندوں کی اکثریت حیدرآباد کو متصلہ علاقوں میں ضم کرنا چاہے تو مسلمانان دکن اس فیصلہ کو قبول کر لیں گے۔ اگر حیدرآباد اپنی موجودہ صورت میں برقرار رہتا ہے تو ظاہر ہے کہ مسلمانان دکن کو کوئی تعرض نہیں ہو سکتا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ:-

(۲) اپنے غیر مسلم ہمسایوں کے ساتھ مسلمان کس قسم کا رشتہ قائم کرنا چاہتے ہیں اور ملکی مسائل میں کس حد تک وہ ان کا ہاتھ بٹانا چاہتے ہیں؟-

اس کا جواب یہ ہے کہ ۱۵ اگسٹ سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد انڈین یونین کے سارے علاقوں میں یہ رشتہ متعین ہو چکا ہے یعنی یہ کہ جمہوری نظریہ کے مطابق انڈین یونین میں حکومت ہندو بھائیوں کی ہوگی اور مسلمان اس حکومت کے تحت ان حقوق کے ساتھ جو انہیں دستور کے ذریعہ عطا کئے جائیں گے شہریوں کی زندگی بسر کریں گے۔ اسی قسم کا رشتہ حیدرآباد میں بھی، ۱۷ ستمبر سنہ ۱۹۴۸ء کے بعد متعین ہو چکا ہے۔ ملکی مسائل کو حل کرنے میں مسلمان اس حد تک اپنے غیر مسلم بھائیوں کا ہاتھ بٹائیں گے کہ وہ ہر قانون کی پابندی اور ہر حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بجز خالص مذہبی معاملات کے باقی جملہ معاملات میں ہندو بھائیوں کی قیادت تسلیم کریں گے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ:-

(۳) حیدرآباد اسٹیٹ کانگریس کے متعلق مسلمانوں کا کیا خیال ہے؟

اس کا جواب وہی ہے جو سمجھدار اور بے لوث ہندو بھائی خود ہی دے رہے ہیں۔ یعنی یہ کہ جہاں تک اصول اور کاغذی قراردادوں کا تعلق ہے اسٹیٹ کانگریس ایک اچھا ادارہ ہے لیکن بقول پنڈت ایم نرسنگ راؤ کے بدقسمتی یہ ادارہ اپنے اصولوں کا خود پابند نہیں ہے۔ سمجھدار اور دیانت دار کانگریسی اصحاب اس کی کوشش کر رہے ہیں کہ اسٹیٹ کانگریس کے قول و عمل میں تضاد باقی نہ رہے۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ:-

(۴) کشمیر کے متعلق مسلمانوں کی کیا رائے ہے؟

کشمیر ایک نہایت پرفضا اور دلکش مقام ہے۔ اس کو حاصل کرنے کے لئے ہندوستان اور پاکستان فی الوقت کوشاں ہیں۔ چونکہ ہندوستان کے وزیراعظم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس مسئلہ کا تصفیہ سمجھوتہ سے ہوگا اس لئے ہم کشمیر سے متعلق ہر اس سمجھوتہ کا خیر مقدم کریں گے جو اس علاقہ میں امن کی ضمانت دے سکے۔

پانچواں سوال یہ ہے کہ:-

(۵) پاکستان سے متعلق مسلمانان دکن کا کیا رخ ہے؟

یہ سوال کسی قدر غلط معلوم ہوتا ہے۔ اگر صرف رخ ہی معلوم کرنا ہے تو اس کا جواب ہے شمال مغرب لیکن اگر رائے معلوم کرنی ہے تو عام مسلمان پاکستان کا بچہ بچہ اور چاہتا ہے کہ وہ پھلے پھولے۔ ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ پاکستان کی زندگی مختصر ہے۔ نتھورام گوڈسے نے اپنی آخری وصیت میں وہ بات کہہ دی جو آنجہانی کے دوسرے بھائی صاف صاف کہتے رکتے ہیں۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ نتھورام گوڈسے کی آخری وصیت پوری ہو کر رہے گی یعنی یہ کہ پاکستان ختم ہو کر رہ جائے گا۔

چھٹا سوال یہ ہے کہ:-

(۶) حیدرآباد کو ہندیونین کے ساتھ ملانے کے متعلق مسلمان کیا رائے رکھتے ہیں؟-

اس کا صاف جواب یہ ہے کہ ۱۷ ستمبر سنہ ۱۹۴۸ء کو حیدرآباد ہندیونین کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔ یہی وہ بات ہے کہ یہ اچھا ہوا یا برا اس کے متعلق عام مسلمانوں کا خیال یہ ہے کہ جو ہوتا ہے وہ بھلائی کے لئے ہی ہوتا ہے۔

ساتواں سوال یہ ہے کہ:-

(۷) نظام دکن کو حیدرآباد کا آئینی صدر رکھنے یا نہ رکھنے کے متعلق مسلمانوں کا کیا فیصلہ ہے؟-

اس کا جواب یہ ہے کہ آئینی صدر ایک بے ضرر اور بے معرف چیز ہے۔ خواہ نظام دکن رہیں یا کوئی اور اس سے مسلمانوں کی زندگی پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

ہمیں امید ہے کہ ان صاف جوابات کی روشنی میں مولانا انیس الرحمن پریشاں حال مسلمانوں کی پریشانی میں مزید اضافہ نہیں فرمائیں گے۔

اپنے ۱۳ نومبر کے اداریہ میں معاصر شہاب نے دریافت کیا ہے کہ مسلمانان دکن اقلیت بن کر رہنا چاہتے ہیں یا دوسرے فرقوں سے مل کر متحدہ قومیت بنانا چاہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اقلیت میں تو ہیں ہی۔ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرکے اپنی اقلیت کو اکثریت میں بدلنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتے اگر انہیں سی علاحدہ رہنے دیا جائے تو وہ حکمران وقت کا شکریہ ادا کریں گے۔ رہا دوسرا سوال کہ متحدہ قومیت میں حصہ لینا سو اس کا جواب سطور بالا میں آچکا ہے۔ قومی و ملکی مسائل کی حد تک وہ ہندو بھائیوں کی اکثریت کے ہر فیصلہ کو قبول کرکے ہندو بھائیوں کے ساتھ تعاون عمل کریں گے۔ ایسی متحدہ قومیت ہوگی جس میں اختلاف یا ضرر کا کوئی شائبہ نہیں ہوگا۔

ہم نے جو رائے پیش کی ہے وہ ہے تو ہماری لیکن مسلم عوام کی نبض پر انگلی رکھ کر لکھی گئی ہے۔ اس رائے سے اختلاف شاذ ان حضرات کو ہو سکتا ہے جو عوام سے کسی حد تک نمایاں ہو کر خواص کے زمرے میں داخل اور حکومت وقت سے جلب منفعت کرنا چاہتے ہوں ورنہ ہندو بھائیوں کے نقطہ نظر سے مسلمانان دکن کا یہ فیصلہ تشفی بخش ہونا چاہیے۔ انہیں اس فیصلہ کا یوں خیر مقدم کرنا چاہیے کہ جو مسلمانوں سے اب کسی اختلاف یا مخالفت کا اندیشہ نہیں رہا وہ ہمارے ہر فیصلہ کو قبول کرنے اور ساتھ دینے کا وعدہ کر رہے ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ سمجھدار اور سنجیدہ ہندو پبلک کا رکن اس فیصلہ سے مطمئن ہیں البتہ مولانا انیس الرحمٰن صاحب ان کے اطمینان میں خلل ڈال کر اپنے آپ کو ایک مفید آدمی بنانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن کیا ہندو بھائی اس آسانی سے دھوکہ کھا سکتے ہیں؟

امداد باہمی کا نصب العین

نواب مہدی نواز جنگ کی تقریر

یوم امداد باہمی کے موقع پر نواب مہدی نواز جنگ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ:- امداد باہمی ایک طرز زندگی ہے۔ اس کا اپنا ایک مذہب، ایک نصب العین اور اپنی ایک معیشت ہے امداد باہمی کا مذہب یہ تلقین کرتا ہے کہ بلا لحاظ رنگ و نسل و مذہب و ملت ہر مرد، عورت اور بچے کے لئے مسلسل انہماک کے ساتھ کام کیا جائے۔ زندگی کے سماجی اور معاشی شعبوں میں وہ اخوت انسانی کے نظریہ کا حامی ہے۔ امداد باہمی کی معیشت صارفین اور پیدا کنندوں کی خدمت کے اصول پر مبنی ہے۔ محنت کو پیدا کنندوں کے زمرے میں رکھا گیا ہے اور درمیانی آدمی کو جو ہمارے معاشی ڈھانچہ میں مختلف برائیوں کی ذمہ دار ہے نکال باہر کیا گیا ہے۔

امداد باہمی کا نصب العین ایک ایسی مملکت کی تخلیق ہے جہاں ہر کوشش حالات زندگی کو بہتر بنانے کی طرف ہوتی ہے اور ہر انسان کی خوش حالی پیش نظر ہوتی ہے۔ عہد قدیم سے نوع انسان کا ہر بہی خواہ جیسے گوتم بدھ، افلاطون، کارل مارکس، لینن اور مہاتما گاندھی امداد باہمی کے اس نصب العین کو پیش کرتے رہے ہیں۔ پس امداد باہمی کی یہ تعریف کی جا سکتی ہے کہ رضاکارانہ بنیاد پر انفرادی سرگرمیوں کا ایک مشترکہ عمل ہے افراد اور سماج کی بہبودی کے لئے۔ اس وقت ہمارا ملک مشکل مسائل سے دوچار ہے۔ اغذیہ اور کپڑے کی قلت اور مزدوروں کے مسائل۔ ان تینوں مسائل نے مل کر ملک کی ترقی کو معطل کر دیا ہے۔ ہماری آبادی کے

دور طفولیت میں ہی چاہیے تھا کہ رام راج کے اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے جو کام مہاتما جی نے پیش کیا تھا اپنی کوششوں کو مرکوز کر دیتے۔ اور وہ نصب العین ہے ملک کے ہر باشندے کی خوش حالی اور طمانیت۔ حکومتیں زرعی منصوبوں، آبپاشی کے پراجکٹ اور دیگر اسکیموں کو روبہ عمل لانے کی حتی الامکان کوشش کر رہی ہیں جن سے توقع کی جاتی ہے کہ ہمارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ یہ اسکیمیں اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہیں جبکہ امداد باہمی کے اصولوں پر ان کو روبہ عمل لایا جائے۔ جب تک ہم کو تعلیم نہ دی جائے امداد باہمی کے طریقے استعمال نہیں کئے جا سکتے۔ اشاعت تعلیم کی ضرورت کو ہر شخص محسوس کرتا ہے۔ توسیع تعلیم کے طریقوں سے متعلق ماہرین نے حکومت کو مشورے دئے ہیں۔ سارجنٹ اور دیگر ماہرین کی اس موضوع پر جو رپورٹ شائع ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ معیار تعلیم کو بلند کرنے کے لئے تقریباً تیس سال اور کروڑہا روپے درکار ہوں گے۔ ترقی یافتہ ممالک نے جہالت کے مسئلہ کو حل کیا ہے اور سینما کے ذریعہ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم دینے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ بصری تعلیم سے متعلق میں نے ایک اسکیم چند سال قبل حکومت کے آگے پیش کی تھی اس اسکیم کی رو سے اگر حکومت (۳) کروڑ (۵۷) لاکھ روپئے صرف کرے تو (۵۰) فی صد آبادی خواندہ ہو سکتی ہے۔ وہ پانچ سال میں پیشہ کی تعلیم حاصل کر سکتی ہے۔ عوام تک علم کو پہنچانے کا فوری اور موثر ذریعہ بصری تعلیم ہے۔ امداد باہمی کے اصولوں پر ملک کو زرعی اور صنعتی اعتبارات سے ترقی دینے کیلئے بصری تعلیم اور پیشہ وری رہنمائی نہایت ضروری ہے میں نے پیشہ وری رہنمائی سے متعلق بھی ایک اسکیم حکومت کے آگے پیش کی تھی۔ صنعتوں میں امداد باہمی کے طریقہ کو رائج کرنے کے لئے میں نے یہ سفارش کی تھی کہ حیدرآباد میں ایک کپڑے کی گرنی امداد باہمی کے اصول پر قائم کی جائے جس میں ایک طرف اس رقبہ میں کپاس کی کاشت کرنے والوں کے مفاد کو پیدا کنندوں کی حیثیت سے اور پارچہ بافوں کے مفاد کو صارفین کی حیثیت سے شامل کیا جائے اور دوسری طرف انجمن ہائے امداد باہمی کو شریک کیا جائے اور مزدوروں کو گرنی کے سرمایہ میں حصہ دیا جائے گرنی میں کام کرنے والے مزدوروں کو پارچہ بافوں کے طبقہ سے لیا جائے تاکہ گرنی کو صحیح معنوں میں امداد باہمی کی حیثیت حاصل ہو جائے۔ میرے خیال میں اب وقت آگیا ہے کہ ان لوگوں کے فائدے کے لئے جنہیں پیداوار اور صرف سے گہری دلچسپی ہے اس تجویز کو آزمایا جائے۔

جو لوگ آج حکومت میں ہیں اور جو لوگ کل آئیں گے انہیں امداد باہمی کی اہمیت کو محسوس کرنا پڑے گا انہیں زراعت اور [illegible] میں امداد باہمی کے طریقہ کو استعمال کرکے ملک کی خدمت کرنی چاہئے تعلیم، صحت، حفظان صحت اور دیگر سماجی شعبوں میں بھی امداد باہمی کے طریقہ کو رائج کرنا چاہئے۔

انڈونیشیا کو اقتدار منتقل کرنے کی تیاریوں کا آغاز

دی ہیگ۔ ۲۰ نومبر۔ ہالینڈ کے نائب وزیر اعظم [illegible] بھی ہیں چند ہی دنوں میں بٹاویہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں تاکہ [illegible] جمہوریہ انڈونیشیا کو مکمل اختیارات سونپنے کے کاموں میں مدد دے کر آسانی پیدا کریں۔ ایک معتبر ذرائع کا کہنا ہے کہ یکم جنوری ۱۹۵۰ء کو سارے اختیارات نئی مملکت جمہوریہ انڈونیشیا کو دے دیئے جائیں گے۔ آج کابینہ نے اپنے وزراؤں کو اختیار دیا ہے کہ مختصر سی اطلاع کے بعد وہ دیں جس قسم کے اہم فیصلے ضروری سمجھیں کریں [illegible] ڈچ حکومت اور انڈونیشی نمائندوں کے درمیان تعلق پیدا کریں گے۔ اختیارات منتقل کرنے اور اسے عملی جامہ پہنانے کی [illegible]

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

بلا تنقید:۔

جتنا خطرناک یہ دو قومی نظریہ ہے اس سے کہیں زیادہ تباہ کن یہ نعرہ ہے کہ ہندوستان میں صرف ایک قوم بستی ہے اور ہندوستان کا صرف ایک کلچر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین پر بیسیوں قومیں آباد ہیں جو اپنا اپنا کلچر اپنی اپنی زبان رکھتی ہیں۔ ان کی بنیاد مذہب یا ذات پر نہیں قائم ہے بلکہ جغرافی، لسانی، اور ثقافتی دعووں پر ان کا انحصار ہے (پیام)

معاصر "پیام" تحریر کرتا ہے کہ:۔

ہمیں تعجب ہوتا ہے جب ہم بڑے بزرگوں کی زبان سے یہ الفاظ سنتے ہیں کہ آزاد ہندوستان کی فلاح و ترقی کا واحد ذریعہ مشترکہ قومیت کے فروغ ہی میں مضمر ہے۔ اس قسم کے نعرے سرمایہ داروں کی جانب سے بلند کئے جا رہے ہیں۔

یہ اشارہ مولانا انیس الرحمٰن مدیر "شعیب" کی جانب ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ مولانا سرمایہ دار نہیں ہیں ان کا سرمایہ مستعار ہے۔

معاصر "سلطنت" نے ایک عرصہ دراز کے بعد حیدرآباد کے حالات پر ایک اداریہ سپرد قلم کیا ہے جس میں دبی زبان سے کہا گیا ہے کہ:۔

پولیس ایکشن کے بعد ملک کا ایک طبقہ خلاف توقع اس سے متاثر ہوا اور اس کے افراد قصبات و دیہات سے ترک وطن کر کے شہروں میں چلے آئے۔

ان مصیبت زدہ افراد کی حالت سے معاصر "سلطنت" بھی خلاف توقع کچھ متاثر ہو رہا ہے۔

یونائیٹڈ پریس کی اطلاع ہے کہ:۔

ایک مقدمہ میں مدراس کی عدالت نے عورتوں کی برہنہ تصویریں شائع کرنے سے متعلق فوٹوگرافروں اور ناشروں کے حقوق محفوظ رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ برہنہ تصویروں کی اشاعت آرٹ کی خدمت ہے۔

ترقی پسند ادیب کہتے ہوں گے:۔

عین نظارہ ہے تصویر کا عریاں ہونا

اد ۰ ۰ اقوام متحدہ کی نشریات میں اردو زبان کی شمولیت۔ ہندوستان اور پاکستان کے مشہور ماہیوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ (اخباری سرخیاں)

شمع اردو جل رہی ہے محفل اغیار میں

معاصر "شعیب" ایک اداریہ میں تحریر کرتا ہے کہ:۔

اگر ہم دیسی مسلمان کانگریس کی مدد کرتے ہیں تو کانگریس بچ جاتی ہے اور ملک کو سنبھال سکتی ہے۔ اور اگر ہم کانگریس کو کمزور کرتے ہیں تو ملک آر ایس ایس کی گود میں چلا جاتا ہے۔

اسی اداریہ میں آگے چل کر معاصر موصوف لکھتا ہے کہ:۔

جب انگریزوں کے جیسا سا نظام اور جبر و تشدد کانگریس کو نہ جھکا سکا تو یہ آر ایس ایس کیا چیز ہے۔

ہم سوچ رہے ہیں کہ اس عبارت کو معاصر "سیاست" کے پاس تحلیل نفسی کے لئے کیوں نہ روانہ کر دیا جائے۔

ایک اداریہ میں معاصر "شعیب" مشورہ دیتا ہے کہ:۔

اس وقت حیدرآباد کی کانگریس میں سوامی جی اور رام کشن راؤ کے دو صاف گروپ ہیں۔ مسلمان کانگریس میں جائیں اور یہ دیکھیں کہ ان میں سے کونسا گروپ زیادہ مخلص اور ملک و مسلمانوں کے لئے زیادہ مفید ہے۔

مولانا انیس الرحمٰن نے کانگریس میں جا کر ہر گروپ کو اپنے لئے مفید پایا۔ حیدرآباد کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ مولانا سے یہ گُر سیکھیں۔

ماڈرن نیوز کی اطلاع ہے کہ:۔

کلیہ اناث کی طالبات کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ تعلیمی درسگاہ میں امیری اور غریبی کا نقطہ نظر اور طبقہ داری امتیاز تعلیم کی نفی ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر کلیہ اناث میں مخلوط تعلیم کو رواج دیا جائے تو نہ صرف طبقہ واری امتیاز بلکہ جنسی امتیاز بھی باقی نہیں رہے گا۔ معلوم نہیں ماہرین تعلیم کی کیا رائے ہے۔

حیدرآباد کے عوام کیا اب بھی ان دو ضلعے کے متعلق حق استصواب نہ رکھیں گے جو ریاست اور نظام کے مستقبل سے متعلق ہے۔ میری رائے ہے کہ عوام کے فیصلہ کو ترجیح دی جانی چاہیئے۔ .... حیدرآباد میں عوامی حکومت اور مرکزی مجلس دستور ساز میں نمائندے روانہ کرنے کا سوال بھی قابل غور ہے۔ (سوامی رامانند تیرتھ)

بے خواب ہیں ہنوز جو جاگے ہیں خواب سے

کل ہند نمائش حسن کاری

حیدرآباد آرٹ سوسائٹی کے زیر اہتمام دسمبر کے تیسرے ہفتے میں آرٹ کی جو کل ہند نمائش منعقد ہو رہی ہے وہ حیدرآباد اور ہندوستان کے حسن کاروں کے لئے اس کا زریں موقع فراہم کرے گی کہ وہ اپنی رنگ کاری سنگتراشی، عکاسی اور خوشنویسی کے شہ کار پیش کر کے داد حاصل کریں۔ قابل انعام اشیاء پر تمغے عطا کئے جائیں گے اور طلباء کی تیار کی ہوئی جو چیزیں بہترین قرار پائیں گی اُن پر خاص انعامات دئے جائیں گے اہل ملک پر اس کی ایک ہزار کا پیان ملک کے حسن کاروں کو انفرادی طور پر نیز حسن کاری کے مختلف مراکز کو روانہ کی جا چکی ہیں مختلف مقامات سے استفسارات کا تانتا بندھا ہوا ہے۔

نمائش پولیس کو آراستہ کیا جا رہا ہے جہاں ۲۵ نومبر سے باقاعدہ دفتر کھولا جائے گا۔ داخلے کی آخری تاریخ ۷ دسمبر تک بڑھا دی گئی ہے۔ جو حسن کار نمائش میں حصہ لینے کے خواہشمند ہوں وہ مسٹر جی۔ ایس۔ پرکاش ڈائرکٹر نمائش کینگ کوٹھی محل روڈ حیدرآباد دکن سے داخلے کے فارم اور ضروری معلومات طلب کریں۔

آخر حیدرآباد کا کیا حشر ہوگا؟

معاصر "رعیت" کا تبصرہ

مسٹر وی پی مینن کی آمد سے یہ خبر پھیل گئی کہ حضور نظام نے انڈین یونین میں حیدرآباد دکن کی شرکت کو قبول کر لیا ہے گو ابھی تک دستاویز شرکت پر دستخط نہیں ہوئی ہے اس خبر کی توثیق اگرچہ سرکاری طور پر نہیں ہوئی ہے لیکن دہلی کے اخباری اطلاعات سے اس کی توثیق ہو رہی ہے۔ اور یہ ممکن خیال کیا جا رہا ہے کہ شاید اس کا اعلان اس ماہ کے ختم تک دہلی سے ہو جائے۔ اور ایسا ہونا اس لئے بھی زیادہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ ۲۶ / جنوری کو جمہوریہ ہند کا اعلان ہوگا۔ اور اس کے اندر ہندوستان کے دستور کی آخری منظوری دستور ساز اسمبلی سے حاصل کی جائیگی۔ ان امور کے مد نظر حیدرآباد کا موجودہ پوزیشن باقی نہیں رہ سکتا جو بالکل بے جوڑ ہے اور اس میں شک نہیں کہ حکومت ہند نے اور ہمارے قائدین نے بار بار اس امر کا اعلان کیا ہے کہ حیدرآباد کے مستقبل کو فیصلہ خود حیدرآباد کے عوام کریں گے اور اس کی تیاریاں بھی شروع ہو چکی ہیں۔ حیدرآباد کے دستور ساز اسمبلی کے انتخابات اوائل مارچ میں مکمل ہونے کا ایک نظام العمل شایع کیا جا چکا ہے۔ لیکن اس دستور ساز اسمبلی کے انعقاد میں ہندوستان میں ہونے والی تبدیلیوں کے مد نظر حیدرآباد کی موجودہ پوزیشن کو قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ انڈین یونین میں حیدرآباد کی شرکت پر حضور نظام کی رضامندی ایک عارضی حیثیت رکھتی ہو اور اس سے ہی حیدرآباد کی شرکت عارضی کہی جائے لیکن ہمارے خیال میں یہ عارضی شرکت آئندہ کی مستقل شرکت سے کوئی الگ نہیں ہے بلکہ یہ صرف اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ جو کام کے نومبر ۱۹۴۷ء میں انجام پایا تھا آج وہی کام نومبر ۱۹۴۹ء میں پورا ہو رہا ہے۔ قدرت کو منظور تھا کہ سہولت سے یہ کام انجام پائے لہذا جب سی کٹھنائیاں درپیش آئیں خوشی کا مقام ہے کہ آخر تمام کٹھنائیوں پر قابو پا لیا گیا اور اس کے لئے ہمارے نیتا قابل مبارکباد ہیں۔

اگست ۱۹۴۷ء میں ہمارے اسٹیٹ کانگریس کے نیتاؤں نے انڈین یونین میں حیدرآباد کی شرکت کی آواز بلند کی تھی اور اب نومبر ۱۹۴۹ء میں وہ کیا آواز بلند کرنے والے ہیں اس کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں۔ اگست ۱۹۴۷ء میں انہوں نے جو آواز بلند کی تھی وہ تو نومبر ۱۹۴۹ء میں پوری ہو رہی ہے لیکن آئندہ کے لئے ان کی کیا آواز ہوگی اور عوام کو کیا مشورہ دینے والے ہیں اس کا ابھی تک کوئی اندازہ نہیں ہے۔ البتہ چند انفرادی طور پر بعض لیڈروں نے حیدرآباد کی تقسیم کی آواز اٹھائی۔ لیکن وہ آواز کس حد تک تنظیم کی نمائندگی کرتی ہے یا یہ کہ وہ کس حد تک عوام رائے کا عکس ہے اس کا کوئی یقین نہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ہمارے اسٹیٹ کانگریس کے نیتاؤں کے سامنے خود حیدرآباد کے مستقبل کا کوئی نقشہ موجود نہیں ہے لہذا وہ عوام میں وزارت (Tempo) کو برقرار رکھنے کے لئے تقسیم حیدرآباد کے نعرے کا بے کار بلند کرتے ہیں اور ایسے نعرے مستقبل قریب میں زور زور سے بلند کئے جائیں گے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ جب دستور ساز اسمبلی بیٹھے گی اس وقت ہمارے یہی نیتا فرمائیں گے کہ ملکی سیاست اور بین الاقوامی صورت حال کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم آہستہ قدم بڑھائیں اور محض نعروں میں نہ الجھیں بلکہ ہم کو ایک کل ہند پالیسی کا ساتھ دینا چاہئے فرض یہ کہ اس طرح ہمارے یہی نیتا جو آج تقسیم حیدرآباد کا نعرہ بلند کرتے ہیں آئندہ حیدرآباد کی دستور ساز اسمبلی میں یہ قرار داد لائیں گے کہ انڈین یونین میں حیدرآباد کی شرکت منظور کی جائے ہم اس کو برا نہیں کہتے ہیں ہم صرف یہ بتلا رہے ہیں کہ سیاست کسے کہتے۔ اور سیاست کس طرح سے چلتی ہے۔

اسٹیٹ کانگریس نے حیدرآباد میں ذمہ دارانہ حکومت کے لئے بڑی جد و جہد کی۔۔۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ جد و جہد تقریباً بیس برس سے جاری ہے انڈین یونین میں حیدرآباد کی شرکت کے مطالبے پر جد و جہد کی تاریخ تو بالکل حالیہ ہے اور وہ مطالبہ اب پورا ہو رہا ہے۔ لیکن اہل حیدرآباد کا دیرینہ مطالبہ ابھی تک اپنی جگہ برقرار رہا۔ تمام دنیا میں بہت سی تبدیلیاں ہوئیں۔ حیدرآباد میں اور حیدرآباد کے باہر ہندوستان میں بڑی بڑی باتیں ہوئیں۔ جو کام کسی اور ریاست میں ہوا اور وہ یہ ہے کہ ایک پولیس کارروائی ہوئی اور حیدرآباد کے عوام بہت سی مصیبتیں جھیلے لیکن حیدرآباد کی تمنا ابھی تک تمنا ہی بن کر رہ گئی۔ جنتا راج کا مطالبہ صرف ان کے نعروں ہی نعرہ بن کر رہ گیا آخر اس کے کون ذمہ دار ہیں؟ پہلے حضور نظام ذمہ دار تھے کہ وہ اقتدار عوام کے نمائندوں کے سپرد و تفویض کرنے آمادہ نہ تھے اور آج تو نظام صرف معمولی طور پر [illegible] ہیں لہذا کیا آج ذمہ داری حکومت ہند پر عائد ہوتی ہے کہ وہ یہاں کے عوام کی نمائندگی کرنے والے نیتاؤں کے سپرد یہاں کی حکومت کرنے پر آمادہ نہیں ہے؟ حکومت ہند کے متعلق یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ کوئی مطلق العنان ہے یا یہ کہ یہ مطلق العنانی کو پسند کرتی ہے۔ بلکہ حکومت ہند کے چلانے والے ہندوستان کے عوام کے منتخبہ نمائندے ہیں۔ لہذا ان پر یہ ذمہ داری عائد نہیں کی جا سکتی ہے وہ حیدرآباد کی حکومت اپنے نامزد سیول عہدہ داروں کے ذریعہ مطلق العنانی کے ساتھ چلانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ بلکہ ہمارا خیال ہے کہ وہ اس کو اپنے شان کے خلاف تصور کریں گے کہ حیدرآباد میں ان کے نامزد کردہ سیول عہدہ داروں کی حکمرانی رہے۔

اس تجزیہ کے بعد یہ قدرتی احساس ہے کہ حیدرآباد کے اس سیاسی بحران کی پوری ذمہ داری ہمارے مقامی نیتاؤں پر عائد ہوتی ہے جو اپنے آپسی جھگڑے نہیں چکا سکے۔ اگرچہ ہمارے بعض نیتا یہ کہتے ہیں۔ کہ حیدرآباد میں عوامی حکومت کے آنے میں تاخیر کی وجہ کانگریس کے باہمی اختلافات نہیں ہیں بلکہ حکومت ہند کے عہدہ داروں کو کچھ اور کام پورے کرنے ہیں۔ لیکن یہ کوئی جواب نہیں ہے بلکہ مسٹر مینن کی آمد سے یہ بات اور صاف ہو گئی کہ کانگریس کے اختلافات بہت بڑی حد تک ذمہ دار ہیں [illegible] کی نمائندگی کرتے ہوئے مسٹر مینن نے کانگریسی نیتاؤں کو اپنے باہمی اختلافات ختم کرنے کی صلاح اور مشورہ دینے کی خبریں بھی شایع ہوئیں اور ہمارا خیال ہے کہ مسٹر مینن کی یہ صلاح ایک تنبیہ سے کچھ کم حیثیت نہیں رکھتی۔ لیکن ہمیں شبہ ہے کہ ایسی کوئی تنبیہ بھی ہمارے اسٹیٹ کانگریس کے آپسی اختلافات کو ختم کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہے ان اختلافات کی جڑیں اتنی تہ کو پہنچ گئی ہیں کہ ان کی بیخ کنی آسانی سے ممکن نہیں معلوم ہوتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہم حیدرآبادیوں کے رگ و ریشہ میں کوئی ایسی بات سرایت کر گئی ہے کہ ہم آسانی سے کوئی مسئلہ حل اور کوئی اختلاف ختم نہیں کر سکتے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حضور نظام ۱۹۴۷ء میں آسانی کے ساتھ جو ہونے والا کام بڑی مصیبتوں کے بعد نومبر ۱۹۴۹ء میں مکمل کرنے پر راضی ہو گئے ہیں اسی طرح ہمارے کانگریسی نیتا آسانی کے ساتھ ۱۹۴۹ء میں جو ہونے والا کام بڑی کٹھنائیوں کے بعد آئندہ کسی اور وقت کرنے پر تیار ہو جائیں گے یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے یہ کانگریسی نیتا اس زمانہ کے لئے انتظار کرتے رہیں لیکن زمانہ ان کا انتظار نہیں کرتا جس وقت پر جو کام ہوتا ہے۔ وہ ہو کر رہے گا

(باقی پر صفحہ ۷)

اسلامی تہذیب کا ارتقاء

از
محمد سرور
(بہ سلسلہ گذشتہ)

کچھ بعید نہ تھا کہ ان پے در پے بیرونی حملوں اور خود مسلمانوں کے داخلی خلفشار، اور ان کے ذہنی بحران سے اسلامی تہذیب جانبر نہ ہو سکتی۔ لیکن اسے اسلامی تہذیب کا ایک اعجاز سمجھئے کہ اس نے صدیوں تک ان کا مقابلہ کیا۔ اور وہ وحشت اور بربریت کے اس تاریک دور میں علم و اخلاق کو کسی نہ کسی طرح زندہ رکھنے میں کامیاب ہو سکی۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ آخر یہ کیسے ہوا؟ اور اسلامی تہذیب کی وہ کونسی داخلی صلاحیتیں تھیں، جن کی وجہ سے وہ ان تباہ کاریوں کے باوجود کسی نہ کسی حد تک اپنے وجود کو باقی رکھ سکی؟ ہمارے نزدیک اس طویل مدت میں اسلامی تہذیب کی جتنی بڑی جو بھی حفاظت ہوئی اس میں سب سے زیادہ حصہ صوفیائے کرام کا ہے یہاں ہم ان صوفیاء سے بحث نہیں جو علم سے بے بہرہ اور علم سے عاری تھے۔ بلکہ ہماری مراد ان صوفیاء سے ہے جو دین سے بھی آگاہ تھے، حکمت و فلسفہ کی صداقتوں اور ان کے تمام خیالوں کو بھی سمجھتے تھے۔ اور اعمال و اخلاق کا اور جماعتی زندگی کے ضابطوں اور قواعد کی ضرورت سے بھی ناآشنا نہ تھے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب مسلمانوں کی جمعیت پراگندہ ہو گئی، اور ایک ملی وحدت سیاسی کی بجائے طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوا اور اس کے بعد مسلمانوں میں اور اور جھگڑے شروع ہو گئے، یہاں تک کہ افراد کیلئے زندگی گزارنا محال ہو گیا تو صوفیاء نے اس انتشار سے عاجز آ کر جس پر قابو پانا اس وقت کسی کے بس میں نہ تھا یہی غنیمت سمجھا کہ وہ کم سے کم اپنے زاویوں اور خانقاہوں ہی میں اسلامی تہذیب کو بیرونی زندگی کی آلائشوں سے پاک رکھنے کی کوشش کریں چنانچہ یہ زاویے اور خانقاہیں وحدت اور تربیت گاہیں بن گئیں، جہاں عقیدت مند جمع ہوتے تعلیم و تربیت پاتے اور پھر بتوفیق اس سلسلہ کو اور آگے بڑھاتے۔ اس زمانہ میں جب کوئی پائدار سیاسی نظام نہ تھا، فوجی طاقت بالکل چند طبقوں کے ہاتھ میں تھی عوام میں کسی قسم کا کوئی سیاسی شعور نہ تھا اور ہر وقت بیرونی حملوں اور اندرونی بغاوتوں کا خطرہ لوگوں کو پریشان رکھتا تھا ذرا اندازہ لگائے کہ اگر یہ صوفیاء اسلامی تہذیب کی شمع کو ان جھگڑوں سے بچا کر جو ہر طرف تباہی لا رہے تھے خانقاہوں میں جلائے رکھتے تو معلوم نہیں اسلامی تہذیب کا کیا حشر ہوتا۔

تصوف و سلوک کا جیش تر ادب اور اس کے طریقت کے سلسلے زیادہ تر اسی دور خلفشار میں پیدا ہوئے۔ اور ظاہر ہے زندگی کی مشکلات اور بے اطمینانی کا ان پر ضرور رد عمل ہوتا چنانچہ وہ ہوا لیکن اسلامی تصوف و سلوک میں ایک بات بڑی نمایاں ہے جو دوسری قوموں کے تصوف میں بالکل ہے گی۔ اسلام نے جیسا کہ ہم ایک سے زیادہ بار عرض کر چکے ہیں، باطنی زندگی کی نشو و نما کے ساتھ ساتھ خارجی زندگی کی تعمیر و ترقی پر بھی بڑا زور دیا ہے اور اس نے رہبانیت کی جو خارجی زندگی کا لازمی نتیجہ ہو سکتا ہے، سخت مذمت کی ہے اب صورت یہ ہے کہ صوفیاء کے نزدیک علم دین کی تحصیل تصوف کی پہلی منزل ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا صوفی کا سب سے اہم فریضہ۔ چنانچہ ہوا یہ کہ ایک طرف تو زندگی کا ناساز گار ماحول اور آئے دن کی مصیبتیں تصوف کا ذوق رکھنے والوں کو دنیا کے علائق سے بیزار کرتے اور وہ خانقاہوں میں پناہ لیتے اور دوسری طرف دین کی تعلیم اور رسول اللہ صلعم اور آپ کے صحابہ کی مثالیں تھیں، جو رہبانیت کو خلاف اسلام بتاتی تھیں الغرض اس عمل اور رد عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر صوفیاء کی ایک بڑی تعداد راہ اعتدال سے ہٹ گئی اور انھوں نے خارجی زندگی کو چھوڑ کر محض باطنی زندگی کو ہی اپنا مقصود و منتہا بنا لیا، تو ان میں ایک کافی تعداد ایسے بزرگوں کی بھی برابر موجود رہی جو تصوف کو شریعت کے مطابق کرنے اور صوفی کو جماعتی ضابطوں کے پابند بنانے پر زور دیتی رہی۔ یہ بزرگ تصوف کے اشغال و اذکار کی تلقین بھی فرماتے، طالب علموں کو دینی علوم کا درس بھی دیتے، ارادت مندوں کے نفوس کا تزکیہ بھی کرتے، اور پھر بادشاہوں کو نیک مشورے بھی دیتے، اور انھیں خلق خدا کی ہمدردی اور مظلوموں کی دادرسی کی طرف متوجہ بھی کرتے۔

قصہ مختصر، اسلامی تہذیب کے دور اول میں خلافت راشدہ کا نظام حکومت ملت کی خارجی اور باطنی زندگی کی ہم آہنگی کا ایک کامل نمونہ تھا۔ اس کے بعد جو دور آیا، اس میں سلطان حکمرانوں اور اور ان کے علماء نے مل کر اس ہم آہنگی کو جہاں تک کہ ان کی بساط تھی، اور جس حد تک حالات نے اجازت دی نبھایا، ان کے بعد جب تیسرا دور آیا۔ اور فتنہ و فساد بہت زیادہ بڑھ گیا تو اسلامی تہذیب کے تحفظ کا فرض سب سے زیادہ صوفیاء نے، ان کے بعد علماء نے۔ اور آخر میں سلطان حکمرانوں نے سر انجام دیا اور اسلامی ملکوں کے بارے میں ہم نہیں کہتے لیکن جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے، یہاں تو اسلامی تہذیب کی نمائندگی یہی عناصر کرتے رہے ہیں۔ اور اسی ترتیب کے ساتھ کرتے رہے ہیں چنانچہ علماء سلطنت کے قانون کے محافظ ہوتے، بادشاہ امن و امان قائم کرتے، اور صوفیاء اسلامی تہذیب جن روحانی بنیادوں پر قائم تھی، ان سے ہر خاص و عام کو متعارف کراتے۔ اور اسی وجہ سے عوام بھی انہیں کو زیادہ مانتے، اور امراء اور بادشاہ بھی ان کی نصیحتوں پر کان دھرتے۔ التمش اور خواجہ بختیار کاکی، علاؤ الدین اور خواجہ نظام الدین اولیاء، فیروز تغلق اور خواجہ چراغ دہلی اور پھر خواجہ باقی باللہ اور اکبری دربار کے ممتاز امراء، اور ان کے بعد حضرت مجدد الف ثانی اور جہانگیر کے امراء و سلطنت، الغرض اورنگ زیب کے زمانے تک سلطنت اور تصوف میں جو تعلق رہا ہے، اور مسلمان فاتحوں کی فتوحات میں کس طرح صوفیائے کرام شامل رہے ہیں۔ ان واقعات کو دیکھتے ہوئے کون شخص ہے جس کو اس حقیقت کے اعتراف کرنے میں تامل ہوگا کہ اسلامی تاریخ کے آخری ادوار میں صوفیاء ہی نے اسلامی تہذیب کی سب سے زیادہ خدمت کی ہے۔

انڈونیشیا کو اقتدار منتقل کرنے کی تیاریوں کا آغاز

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۲)

اس پروگرام کے تحت ۲۳ دسمبر کو دوسری ڈچ ایوان کے مباحثہ میں منتقلی اختیارات کا قانون شامل ہوگا۔

انڈونیشی ملکہ جولیانا ۲۰ دسمبر کو رسمی طور پر اقتدار اعلیٰ کے اختیارات انڈونیشی وفد کو جس کی قیادت وزیر اعظم انڈونیشیا ڈاکٹر محمد حتا کریں گے منتقل کریں گی جو ہیگ انڈونیشی وفد ہیگ سے جو گیا کارتہ واپس چلا جائے۔ اختیارات کی منتقلی کی اصل رسم ڈچ ہائی کمشنر کے نائب ڈاکٹر اے ایچ ج لووننک کی سرکردگی میں انڈونیشیا میں ڈچ پارلیمان میں اختیارات کی منتقلی کا قانون سمندر پار نو آبادیات کے وزیر ای ایچ وان ماریون پیش کریں گے۔

ہندوستان اور امریکی سرمایہ

(بقیہ سلسلہ صفحہ اول)

سرمایہ کی یقیناً ضرورت ہے لیکن ان بھاری صنعتوں سے عوام کا معیار زندگی تو بلند نہیں ہوگا بلکہ زیادہ خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ ایک سوال یہ ہے کہ ہندوستان کے سرمایہ دار اپنا سرمایہ صنعتوں میں لگانے سے کیوں پس و پیش کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کمیونزم سے گھبرا رہے ہیں۔ اور حکومت کے جانب سے تحفظ چاہتے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر امریکہ کا سرمایہ ہندوستان میں لگایا جائے تو امریکہ ہندوستان کو کمیونزم سے بچا سکے گا۔ (ریڈیکل ہیومنسٹ)۔

آخر حیدر آباد کا کیا حشر ہوگا؟

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۵)

کون کہہ سکتا ہے کہ آئندہ آنے والے سال دو سال کیسے ہونگے؟ آج کی صورت حال تو یہ ہے کہ ملک میں کسی کو شانتی نصیب نہیں حالانکہ ہر قسم کی سماجی اور معاشی ترقی کی پہلی شرط امن اور شانتی کی موجودگی ہے لیکن ہر طرف بدامنی ہے لہٰذا اب ایک ایسا وقت آگیا ہے کہ حیدر آباد کے تمام ہی خواہ اس پر غور کریں کہ آخر ملک کا کیا حشر ہوگا؟۔

شاہ ایران کی مجلس عام اقوام متحدہ سے مخاطبت

لیک سکسس ۲۰/نومبر "عالمی امن کے قیام کے لئے ادارہ اقوام متحدہ نے جو خدمات انجام دیئے ہیں ان کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت دنیا انسانیت کو مرفع الحال بنانے اور تمام ملکوں میں اتحاد اتفاق اور ان کی معاشی و صنعتی ترقیات میں ممکنہ امداد دینے کے لئے اس ادارہ کی بقا ضروری ہے البتہ یہ سب ملکوں خصوصاً بڑے ملکوں کا کام ہے کہ وہ اس ادارہ کو ایمانداری، اخلاص اور محبت کے جذبات کے ساتھ ترقی دیں۔ اگر یہ چیز ممکن ہو تو پھر دنیا پر سے جنگ کے بادل چھٹ جائیں گے اور لوگوں کے دلوں پر جو خوف و دہشت طاری ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی" ان خیالات کا اظہار آج رات شاہ ایران رضا شاہ پہلوی نے ادارہ اقوام متحدہ کے جلسہ عام کو مخاطب کرتے ہوئے کیا۔

شاہ ایران جو نہایت چاق و چوبند تھے نوجی شیروانی پہنے ایرانی سفیر مقیم واشنگٹن کی معیت میں فلشنگ میڈو آئے۔ سکریٹری جنرل مسٹر ٹریگوی لی اور ادارہ کے عہدہ داروں نے شاہ کا خیر مقدم کیا۔

رضا شاہ دنیا کے پہلے بادشاہ ہیں جنھوں نے ادارہ متحدہ اقوام کی جنرل اسمبلی کو مخاطب کیا ہے شاہ ایران نے اپنی تقریر میں کہا کہ ایران نے ادارہ اقوام متحدہ کی ترقی و حمایت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ انہوں نے کہا کہ اب رکن ممالک کا فرض ہے کہ اس ادارہ کی اس قدر مدد کریں کہ یہ دنیا کے پسماندہ ملکوں کی مالی اور صنعتی مدد کر سکے۔

شاہ ایران نے علاقہ واری اور منطقہ واری ممالک کے وفاقی مجالس کے قیام کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ شمالی اوقیانوس یا یورپ کے چند ممالک نے اپنی وفاقی عزور یاستوں کی تشکیل میں جو مجالس تشکیل ..... دی ہیں ان کی تائید میں اب مشرق وسطی اور مشرق بعید کے ملکوں کو بھی ایسی مشترکہ وفاقی مجالس کو قائم کر لینا بہتر ہے۔

شاہ ایران نے کہا کہ اب ضرورت ہے کہ امریکہ اور روس جذبہ تعاون کے ساتھ کام کریں۔ انہوں نے بیان کیا کہ ایران کے تعلقات دنیا کے تمام ملکوں بالخصوص امریکہ اور برطانیہ روس کے ساتھ دوستانہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دنیا میں اٹم بم کی وجہ سے جو دہشت پھیلی ہوئی ہے اس کو فوری دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے (پ۔ ی)۔

امریکہ سے حصول گیہوں کی گفتگو ناکام ہوگئی

واشنگٹن ۲۳ نومبر۔ اسٹوارٹ ہنسلی نامہ نگار یونائیٹڈ پریس آف امریکہ نے اطلاع دی ہے کہ آج اعلیٰ امریکی عہدہ داروں نے یہ انکشاف کیا کہ ہندوستان کو دس لاکھ ٹن گیہوں دینے سے متعلق جو بات چیت ہو رہی تھی وہ ٹوٹ گئی ہے۔ اب یہ نہیں معلوم ہے کہ کیا پھر یہ گفتگو شروع کی جائیگی یا نہیں۔ مسٹر چنتامن دیشمکھ جو اس گفتگو کے ذمہ دار تھے نئی دہلی کو اپنی حکومت سے مشورہ کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔ پنڈت نہرو کا خیال تھا کہ دس لاکھ ٹن گیہوں کو ذخیرہ کر رکھنے سے ذخیرہ بازوں کی حوصلہ افزائی ہوگی۔

اس سلسلے میں جو گفتگو ہو رہی تھی وہ دو وجوہ سے ناکام رہی۔ ایک تو یہ کہ ہندوستان صرف ذخیرہ کر سکے گا اس ذخیرہ کو خرچ نہ کر سکے گا کیونکہ اس کے پاس خریدنے کے لئے کافی ڈالر نہیں ہے ذخیرہ بازوں کو چونکہ اس کا علم ہے اس لئے وہ اس کو خاطر میں نہ لائیں گے ــــ دوسری بات یہ ہے کہ امریکی نائب وزیر خارجہ کی یہ تجویز تھی کہ ہندوستان کو دس لاکھ ٹن گیہوں اس وعدہ پر دیا جائے کہ وہ دو تین سال میں اس کے معاوضہ میں مینگنیز امریکہ کو دیگا لیکن خود ہندوستان کی طرف سے اس تجویز کو رد کر دیا گیا کیونکہ ہندوستان نے برطانیہ اور دیگر ممالک کو ایک خاص مقدار مینگنیز کی دینے کا وعدہ کیا ہے اور اس کی متوقع پیداوار کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس سلسلے میں ان کا قوی ترین استدلال یہ تھا کہ چونکہ ہندوستانی روپیہ کی قدر گھٹ گئی ہے اس لئے اسے ڈالر کافی مقدار میں حاصل ہونا مشکل ہے اور پھر یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ اس کی برآمد کا آئندہ موقف کیا ہوگا۔

بلحاظ حالات ہندوستان نے گیہوں کو عطیہ کے طور پر طلب کیا ہے جسے امریکی عہدہ داروں نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ امریکی کانگریس کی منظوری کے بغیر نہیں ہو سکتا اور ان کے خیال میں کانگریس جس کا آئندہ جنوری کو اجتماع ہو رہا ہے عطیہ کے مسئلہ کو کچھ تنگدلانہ نگاہ سے دیکھے گی۔ کیونکہ وہ کسی بیرونی عطیہ کی دادانہ ہوگی جس کا قبل از قبل وعدہ نہ کیا گیا ہو۔ ان حالات کے اعتبار سے امریکی عہدہ دار مسٹر دیشمکھ کی دہلی کی روانگی کے ردعمل کے منتظر ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہند کے وزیر مالیات مسٹر جان متھائی اس تجویز پر شید تحر کا تذکرہ جو انھوں نے صحافتی بیان میں کیا تھا اس عطیہ کی راہ کے مزاحمات کو دور کر سکے گی لیکن اس میں بھی چند قانونی مزاحمتیں ہیں۔

ان وجوہات کی بنا پر واشنگٹن کے تاثرات یہ ہیں کہ اگر ہندوستان کو گیہوں چاہیے تو اسے چند فوجی اڈوں کا وعدہ کرنا پڑے گا ورنہ گیہوں کے لئے کسی اور ملک سے درخواست کرے۔

اعلان

نشان (۲۰) مورخہ ۲۲ دے ۱۳۵۹ف محکمہ ہذا کو اس کی اطلاع ہوئی ہے کہ بعض اشخاص اجناس کے تاجران کو راتب بندی کی دوکان حاصل کرنے کی غرض سے سرکاری خزانہ میں رقم دھرموت داخل کرنے کی غلط رہنمائی کر رہے ہیں۔ کوئی دوکان راتب بندی اس وقت خالی نہیں ہے اور اگر کوئی دھرموت کسی شخص کی جانب سے سرکاری خزانہ میں داخل کی جائے گی تو دوکان راتب نہیں دیجائیگی۔ ایک مقدمہ کے سلسلہ میں ایک تاجر کو محکمہ ہذا کا فرضی مراسلہ نسبت اجرائی دوکان راتب بندی جو اجراء ہوا ہے اس کے متعلق تحقیقات زیر دوران ہے۔ عوام بالخصوص تاجران متنبہ کئے جاتے ہیں کہ محکمہ ہذا کی کوئی دوکان راتب بندی خالی نہیں ہے اگر کوئی مراسلہ جو محکمہ ہذا کی جانب سے اجراء ہونا بیان کیا جاتا ہے تو ایسے مراسلہ کے متعلق جلد از جلد دفتر ہذا میں استفسار کر لیا جانا چاہیئے۔ (ناظم راتب بندی)

ملازمین کے لئے خصوصی جماعتوں کا انتظام

دفاتر اور دوسرے اداروں کے ملازمین کے مسلسل مطالبے پر یونیورسٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ اس طبقے کے طلبہ کے لئے خصوصی جماعتیں کھولی جائیں۔ یہ جماعتیں سابقہ عمارت دفتر معتمدی عدالت وکوتوالی دامور عامہ میں صبح کے ۷ بجکر ۳۰ منٹ سے ۱۰ بجکر ۱۰ منٹ تک تعطیلات کے سوا ہر روز منعقد ہوا کریں گی چونکہ دفتر کے اوقات کے باہر ایسی تعلیم کا انتظام صرف معدودے چند مضامین فنون کی حد تک ممکن ہے اس لئے سردست جونیر انٹرمیڈیٹ، جونیر بی۔ اے اور جونیر بی کام کی جماعتیں کھولی جائیں گی۔

یہ جماعتیں باقاعدہ ہوں گی اور اسی نظام الاوقات کے مطابق کام کریں گی جو عام طور پر یونیورسٹی کے مختلف کالجوں میں رائج ہے البتہ ہر گھنٹہ پچاس منٹ کی بجائے چالیس منٹ کا ہوگا۔

داخلے کی فیس، تعلیمی فیس اور دوسری فیس وہی ہوں گی جو جامعہ میں لی جاتی ہیں۔ سرکاری دفاتر کے ملازمین سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی درخواستوں کے ساتھ اپنے اعلیٰ عہدہ دار کا ایک صداقت نامہ بھی پیش کریں گے جس میں انہیں صباحی جماعتوں میں شرکت کی اجازت دی گئی ہو۔ ان جماعتوں میں شرکت کے خواہشمندوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی درخواستیں مقررہ فارم پر یکشنبہ یکم ڈسمبر ۱۹۴۹ء تک پرنسپل صاحب نظام کالج کے پاس پیش کردیں۔ چہارشنبہ ۱۴ ڈسمبر سے صباحی جماعتیں آغاز ہو جائیں گی۔ (اطلاعات)